تحقیق وتنقید

قرآن میں 'ارض' و 'سماء' کے مدلولات اوران کا اعجاز

مولانا انیس الرحمٰن ندوی

عالمی زبانوں میں عربی زبان کو کئی اعتبار سے منفرد مقام حاصل ہے۔ اس کی انفرادیت کا ایک پہلو اس کے الفاظ کی معنوی وسعت اور ہمہ گیری ہے۔اس میں بڑے پیمانے پر ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جن کا اطلاق صرف ایک مخصوص شئ پر نہیں، بلکہ مخصوص اوصاف سے متصف کثیر اشیاء یا ایک قبیل کی متعدد چیزوں پر ہوتا ہے۔

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں ان وسیع المعانی الفاظ کا بہ کثرت استعمال ہوا ہے، جس سے ایک طرف عربی زبان کی قدر وقیمت میں اضافہ ہوتا ہے تو دوسری طرف ان مختلف الوجوہ اور کثیر المعانی الفاظ میں قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کے گونا گوں علمی اعجازات پوشیدہ ہیں، جن کی کنہ تک پہنچ کر انسانی عقلیں حیران وسرگرداں رہ جاتی ہیں۔

'اَرض' اور 'سماء' کی معنوی وسعت اوران کا باہمی اشتراک

زیر نظر مضمون میں ہم عربی زبان کے الفاظ 'اَرض' اور 'سماء' کا تجزیہ پیش کریں گے، جن کا استعمال قرآن وحدیث میں مختلف مناسبتوں سے بہت سی جگہوں پر ہوا ہے اور ان سے الگ الگ مواقع پر الگ الگ معانی مراد لیے گئے ہیں۔ یہ دونوں الفاظ اگر چہ ایک دوسرے کی ضد ہیں، مگر قرآن وحدیث میں ان کا استعمال مشترک طور پر بھی ہوا ہے، یعنی بعض جگہوں پر اَرض سے سماء اور بعض جگہوں پر سماء سے ارض کا مفہوم بھی نکلتا ہے۔ کیونکہ لغوی اعتبار سے ان دونوں الفاظ کے معانی میں اس قدر وسعت ہے کہ وہ ایک دوسرے میں بخوبی سما جاتے ہیں، مگر سیاق وسباق کے غائر مطالعہ سے ان کے درمیان فرق واضح ہو جاتا ہے۔

لفظ 'سماء' کا لغوی مفہوم

لفظ 'سماء' کا استعمال قرآن وحدیث میں کثرت سے ہوا ہے۔ قرآن میں یہ واحد (سماء) اور جمع (سماوات) دونوں صیغوں میں آیا ہے۔ بہ طور واحد اس کا استعمال ایک سو بیس (۱۲۰) مرتبہ اور بہ طور جمع ایک سونوّے (۱۹۰) مرتبہ ہوا ہے۔

عربی زبان میں 'سماء' کا اطلاق ہر اس شیٔ پر ہوتا ہے جو اوپر ہو۔ عربی کی تمام بڑی لغات میں اس کی حسب ذیل تعریف وارد ہوئی ہے:

کل ما علاک فھو سماء.[۱] ہر وہ شئی جو تمھارے اوپر ہو وہ سماء ہے۔

لہٰذا سماء کی معنوی وسعت میں بادل، کرۂ ہوا (Atmosphere) ، اوزون پرت (Ozone layer) ، خارجی سیارے (Exo-planets)، خارجی فضا (Outer Space)، حلقۂ سیارچات (Asteriod Belt) ، اجرام سماوی (Celestial Objects) اور پوری کائنات (Universe) تک داخل ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کا وجود زمین پر انسان کی بہ نسبت ہمیشہ اوپر کی جانب ہوتا ہے۔ ان معانی میں قرآن وحدیث میں لفظ سماء کے استعمالات پائے جاتے ہیں۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

سماء بمعنی بادل

قرآن میں 'سماء' کا استعمال جن معنوں میں زیادہ ہوا ہے ان میں سے ایک 'بادل' ہے۔ اس کی مثالیں حسب ذیل آیات ہیں:

وَهُوَ الَّذِیْ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً. (الأنعام:۹۹) — (اللہ) وہ ہے جس نے آسمان (بادلوں) سے پانی نازل فرمایا۔

أَنْـزَلَ مِـنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا۔ (الرعد: ۱۷) — اس نے آسمان (بادلوں) سے پانی برسایا، پھر اس سے اپنی مقدار میں نالے بہنے لگے۔

بادلوں کا محل وقوع کرۂ ہوا (Atmosphere) کی سب سے نچلی پرت کرۂ زمہریر (Troposhere) ہے، جس کے حدود سطح زمین سے زیادہ سے زیادہ ۱۸ رکلومیٹر اونچائی پر

واقع ہیں۔لہٰذا زمینی پانی، جو بخارات کی شکل میں زمین سے بلند ہوتا ہے، وہی پانی بادلوں کی شکل میں مرتکز ہوکر زمین پر دوبارہ برستا ہے۔

سماء بمعنی کرۂ ہوا

قرآن مجید میں ایک جگہ کرۂ ہوا (Atmosphere) کے لیے سماء کا لفظ استعمال کیا گیا ہے:

وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوْظًا، وَهُمْ عَنْ آيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ۔ (الأنبیاء:۳۲)

اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا ہے، اور وہ اس کی نشانیوں سے روگردانی کرتے ہیں۔

اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ سماء اپنی کارکردگی میں مضبوط چھت کی مانند ہے۔ یہ وصف کرۂ ہوا (Atmosphere) پر صادق آرہا ہے۔کیونکہ کرۂ ہوا، جومختلف قسم کی گیسوں کا مجموعہ ہے اور جس کوزمین کی قوتِ کشش (Gravity) نے خارجی فضا میں تحلیل ہونے سے روک رکھا ہے، فی الحقیقت اہلِ زمین کے لئے مضبوط چھت کا کام کرتا ہے۔ وہ سورج کی بالائے بنفشی شعاعوں (Ultra-Violet Rays)، شہابیوں اور دوسری آسمانی آفات سے زمین پر موجود انسانوں اور دیگر جان داروں کی حفاظت کرتا ہے، جس طرح ایک گھر کی چھت اس میں بسنے والوں کو سہارا اور تحفظ فراہم کرتی ہے۔ ہوا کا یہ کرہ زمین والوں کے لئے دوطرفہ چھت کا کام کرتا ہے۔ نہ اس چھت کے اندر کی کارگراور مفید اشیاء (گرین ہاؤس گیسیں) باہر فضا میں جاسکتی ہیں اور نہ خارجی فضا کی مہلک اشیاء (بالائے بنفشی شعاعیں اور شہابیے وغیرہ) اس چھت کو پھلانگ کر اندر آسکتی ہیں۔اگر زمین کی یہ حفاظتی چھت نہ ہوتو کرۂ ارض پر زندگی ایک لمحہ کے لیے بھی باقی نہیں رہ سکتی۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشیں رہے کہ کرۂ ہوااوراس کی ان کارکردگیوں کے متعلق تمام سائنسی تحقیقات بیسویں صدی کی ہیں، جس سے اس قرآنی بیان کی قدرومنزلت میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔

سماء بمعنی حلقۂ سیارچات

قرآن مجید میں ایک جگہ لفظ 'سماء' حلقۂ سیارچات (Asteroid Belt) کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل دو آیات ملاحظہ ہوں:

فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ. (البقرۃ:۵۹)

پھر ہم نے ظالموں پر ان کی نافرمانی کی پاداش میں آسمان سے عذاب نازل فرمایا۔

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِنْ سِجِّيلٍ مَنْضُودٍ۔ (ہود:۸۲)

جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے بستیاں الٹ دیں اور اس زمین پر کنکر کے پتھر برسانا شروع کیے جو لگاتار گر رہے تھے۔

پہلی آیت میں مطلقاً بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالی نے بعض گزشتہ اقوام پر آسمان سے عذاب نازل کر کے انہیں ہلاک کر دیا۔ جبکہ دوسری آیت میں اس عذاب کے عموم کی تخصیص کرتے ہوئے انہیں آسمانی پتھروں کی بارش سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآن اور حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے کہ اللہ تعالی نے قوم لوطؑ کو آسمانی پتھر برسا کر انہیں نیست و نابود کر دیا تھا۔ لہٰذا علمی وسائنسی نقطۂ نظر سے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ آسمانی پتھر کیا ہیں؟ اور کیا ان سے زمین پر موجود مخلوقات کو ماضی میں کبھی خطرہ لاحق رہا تھا؟ یا وہ کبھی ان کی زد میں آئی تھیں؟

اس کا جواب ہمیں ہمارے نظام شمسی (Solar System) میں موجود حلقۂ سیارچات (Asteroid Belt) میں ملے گا۔ حلقۂ سیارچات ہمارے نظام شمسی میں واقع سیارچوں کی پٹی کا نام ہے، جو مریخ (Mars) اور مشتری (Jupiter) کے درمیان واقع ہے۔ اس پٹی میں ایک اندازے کے مطابق سات لاکھ سے سترہ لاکھ تک چھوٹے بڑے سیارچے محوِ گردش ہیں۔ ان سیارچوں کی اس کثرت کی وجہ سے ان کے مدارات اس قدر گنجلک ہیں کہ وہ وقتاً فوقتاً آپس میں ٹکراتے اور ٹوٹتے پھوٹتے رہتے ہیں۔ ان سیارچوں کے آپس میں ٹکرا کر ٹوٹنے کے بعد ان کے ملبے ہمارے پورے نظام میں منتشر ہو کر اس میں موجود سیاروں کے لئے وقتاً فوقتاً خطرات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ ان سیارچوں کے ملبوں کی زد میں زمین بھی بارہا آتی رہی ہے اور شہابیوں کی شکل میں ان کا نشانہ بنتی رہی ہے، اور خود ان اجرام اور سیاروں کے درمیان بھی تصادم برپا ہوتا رہتا ہے۔

اس سلسلے کا ایک اہم انکشاف یہ ہے کہ سائنس دانوں نے کرۂ ارض پر پائے جانے والے تمام شہابیوں (Meteorites) کو جمع کر کے ان کا کیمیاوی تجزیہ کیا ہے، جس سے یہ اہم ترین انکشاف سامنے آیا کہ کرۂ ارض پر پائے جانے والے کل تقریباً تیس (۳۰) ہزار

شہابیوں میں سے ۹۹ء۸ فیصد کا تعلق ہمارے نظام شمسی کے اسی حلقۂ سیارچات سے ہے، جو ہمارے نظامِ شمسی کی فضا میں اپنی گردش کے دوران آپس میں ٹکرا کر شہابیوں کی شکل میں زمین پر آگرے۔ ان میں سے بعض ماضی قریب کے اور بعض ماضی بعید کے ہیں۔[۲]

اس سلسلہ کا مزید چونکانے والا انکشاف یہ ہے کہ سائنس دانوں نے اس امر کا بھی پتہ لگالیا ہے کہ ماضی میں زمینی مخلوقات بارہا ان بین السیاراتی تصادموں کا شکار بن چکی ہیں اور اس کے نتیجے میں زمینی مخلوقات اور تہذیبیں صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہوئی ہیں۔ لہٰذا ان مخلوقات کی ہلاکت و بربادی کا سبب حلقۂ سیارچات میں موجود انہی سیارچوں کا پتھریلا مادہ ہے، جو اپنی گردش کے دوران آپس میں ٹکرا کر ٹوٹنے پھوٹنے کے بعد زمین سے اس قدر طاقت اور دھماکے کے ساتھ ٹکرائے کہ زمین کے بڑے علاقے جل کر خاکستر ہوگئے اور چٹیل میدانوں اور بیابانوں میں تبدیل ہوگئے۔[۳]

بہر حال، مذکورہ بالا آیت میں ہمارا استشہاد لفظ 'سماء' سے ہے، جو حلقۂ سیارچات کے معنٰی پر دلالت کررہا ہے۔

سماء بمعنی خلا

قرآن مجید میں لفظ سماء خارجی فضا (Outer Space) کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ حسب ذیل آیت کریمہ ملاحظہ ہو:

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِينَ ۔(الحجر:۱۶)

اور ہم نے آسمان (خارجی فضا) میں بروج (مجمع النجوم/ کہکشائیں) بنائے ہیں اور ان کو دیکھنے والوں کے لیے مزین کیا ہے۔

حضرت حسنؒ اور قتادہؒ کے مطابق اس آیت میں بروج سے مراد ستارے ہیں۔[۴] متعدد مفسرین کے مطابق اس سے بروج النجم (Constellation) بھی مراد ہوسکتے ہیں[۵]۔ لہٰذا ان ستاروں یا مجمع النجوم کی جائے وقوع ہماری کائنات کا بے کراں وسیع خلا (Space) ہے، جسے قرآن مجید کی اس آیت میں 'سماء' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جدید سائنسی تحقیقات کے مطابق خلا میں ہمارے نظام شمسی میں سے جو ستارہ یا سیارہ سب سے قریب شمار کیا جاتا ہے

وہ یہاں سے ۲ء۴ نوری سال کی دوری پر واقع ہے، جب کہ ہماری پوری کائنات کی وسعت (Width) جدید تخمینوں کے مطابق ۱۵۶ ارب بلین نوری سال ہے۔ اس قدر وسیع وعریض کائنات بے شمار ستاروں اور کہکشاؤں سے بھری ہوئی ہے۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اس آیت میں 'سماء' کے معنٰی خارجی فضا کے بھی ہو سکتے ہیں اور پوری کائنات کے بھی۔ کیونکہ ان ستاروں کو خارجی فضا میں بکھرے ہوئے کہا جانا یا پوری کائنات میں بکھرے ہوئے کہا جانا دونوں کا ایک ہی مطلب ہوا۔ ان دونوں تعبیرات کے درمیان فرق انتہائی لطیف ہے، اور لفظ 'سماء' لغوی اعتبار سے ان دونوں پر دلالت کرتا ہے۔

سماء بمعنی جرمِ سماوی

اسی طرح لغوی اعتبار سے عربی زبان میں سماء سے کوئی بھی جرمِ سماوی مراد لیا جا سکتا ہے۔ اس کی مثال کے لئے حسب ذیل آیت کریمہ ملاحظہ ہو:

أَوَ لَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا۔ (الأنبیاء: ۳۰)

کیا کافروں نے دیکھا نہیں کہ سماوات (اجرام سماوی) اور زمین آپس میں جڑے ہوئے تھے، پھر ہم نے انہیں الگ کیا۔

مذکورہ بالا آیت میں علم الکائنات (Cosmology) کے ایک اہم نظریہ کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، جو بیسویں صدی عیسوی کے اہم ترین انکشافات میں سے ہے۔ یہ انفجار عظیم کا نظریہ (Big Bang Theory) ہے۔ اس نظریہ میں ہماری کائنات کی ابتدا اور پیدائش سے متعلق بات کہی گئی ہے۔ اس کے مطابق ہماری کائنات کا مادہ اپنی موجودہ حالت میں وجود میں آنے سے پہلے انتہائی کثیف اور آتشی مواد پر مشتمل تھا اور ایک گولے کی شکل میں آپس میں ملا ہوا تھا۔ پھر اس میں ایک عظیم دھماکہ ہوا، جس کے بعد اس کا مادہ ہمہ جہت منتشر ہونا شروع ہوا اور تدریجی طور پر کیمیاوی اور طبیعی عوامل کی بدولت مختلف اجرام کی شکل اختیار کرتا گیا۔ اس طرح ہماری کائنات وجود میں آئی۔ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ یہ دھماکہ تقریباً ۱۳ء۷ ارب بلین سال قبل ہوا تھا۔

اس آیت میں ہمارا استشہاد لفظ 'سمٰوٰت' سے ہے۔ یہ لفظ یہاں جمع کے طور پر

استعمال ہوا ہے اور اس کی معنوی وسعت میں تمام اجرامِ سماوی آجاتے ہیں، جن میں ستارے، سیارے، چاند، شہابیے، دمدار ستارے، بلیک ہول، نیبولے، پلسرز، کواسرز، نظام شمسی، کہکشائیں اور دیگر تمام اجرام شامل ہیں۔ مذکورہ بالا قرآنی آیت اپنی اس دلالت میں واضح ہے کہ ان تمام اجرام کا مادہ ابتداء میں ایک تھا اور آپس میں ملا ہوا تھا۔

سماء بمعنی کائنات

قرآن مجید میں 'سماء' کا لفظ کائنات (Universe) کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اس کی ایک مثال اوپر گزر چکی ہے۔ دوسری مثال حسب ذیل آیت کریمہ ہے:

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِأَيْدٍ وَّإِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ۔ (الذاریات: ۴۷)

اور آسمان (کائنات) کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اور ہم اس میں وسعت دیے جا رہے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں علم الکائنات کے ایک اور اہم نظریہ کی طرف اشارہ موجود ہے، جسے نظریۂ توسیعِ کائنات (Theory of Expanding Universe) کہا جاتا ہے۔ یہ نظریہ دراصل گزشتہ آیت کریمہ میں پیش کیے گئے نظریہ -نظریۂ انفجار عظیم- کا لاحقہ اور اس کا معلول ہے۔ جیسا کہ بتایا گیا کہ سائنس دانوں کے مطابق ہماری کائنات کا مادہ ابتداء میں آپس میں ملا ہوا تھا، اس کے ابتدائی مادے میں عظیم دھماکہ کے بعد یہ مادہ تیزی سے ہر سمت میں پھیلنا شروع ہوا۔ یہ کائناتی مادہ یا اجرام آج بھی بتدریج پھیلتے جا رہے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ہماری کائنات میں توسیع کا عمل آج بھی برابر جاری وساری ہے۔ اس کی مثال اس غبارے کی طرح ہے جس میں ہوا بھرنے سے وہ غبارہ حجم اور رقبہ میں بڑا ہوتا اور پھولتا چلا جاتا ہے۔ اس طرح دیکھا جائے تو یہ دونوں واقعات -عظیم دھماکہ اور توسیعِ کائنات- ایک ہی واقعہ کے دو مختلف مراحل (Stages) قرار پاتے ہیں۔

سماء بمعنی خارجی سیارے

قرآن مجید میں لفظ سماء کا استعمال بہت سے مقامات پر خارجی سیاروں (خارجی زمینوں) (Exoplanets) کے معنیٰ میں ہوا ہے۔ اس پر تفصیل کے لیے 'اَرض' کے تحت اگلی بحث ملاحظہ ہو۔

لفظ 'ارض' کا لغوی مفہوم

لفظ 'ارض' کا استعمال قرآن اور حدیث دونوں میں بہت سی آیات میں ہوا ہے۔ان میں سے بعض آیات کی معنوی تحدید اور مفہوم میں مفسرین اور محدثین میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔اس اختلاف کی اصل وجہ لفظ 'اَرض' کی معنوی وسعت اور اس کے متنوع مدلولات ہیں۔ ان مدلولات کی تحدید روایتی طور پر ممکن نہیں تھی، مگر جدید سائنسی تحقیقات سے ان میں اتنی وسعت پیدا ہوگئی ہے کہ ان کو سمجھنا اوران کا تعین کرنا آسان ہوگیا ہے۔ ان تحقیقات کی روشنی میں لفظ ارض کے تمام مدلولات میں صحیح انطباق ہوجاتا ہے۔اوران میں کسی قسم کا تناقص یا تضاد نہیں پایا جاتا، بلکہ ان کا تنوع اور نیرنگی واضح ہوتی ہے۔

لفظ 'اَرض' (بغیر الف لام) اسم جنس ہے[۶] یا صیغۂ جمع ہے، جس کا واحد نہیں ہے۔[۷] اس کا واحد اَرضۃ ہونا چاہئے تھا۔مگر لفظ 'اَرضۃ' (واحد) عربی میں متروک ہے، اس کا استعمال عربی زبان میں سرے سے نہیں ہوا ہے[۸]۔ اور نہ قرآن و حدیث میں اس کے استعمالات موجود ہیں۔ 'اَرض' کی جمع اَرضات اور اَرضون، اسی طرح اَروض اور آراض آتی ہے۔ لفظ 'اَرض' کا استعمال قرآن مجید میں چارسو اکسٹھ (۴۶۱) مرتبہ ہوا ہے۔اس میں وہ جمع کے صیغہ میں کہیں نہیں آیا ہے[۹]۔اس کے برخلاف احادیث وروایات میں یہ لفظ واحد اور جمع (اَرضون، اَرضین) دونوں صیغوں کے ساتھ بے شمار جگہوں پر آیا ہے۔

قرآن اور حدیث میں لفظ 'اَرض' کے الگ الگ جگہوں پر الگ الگ معانی مراد لیے گئے ہیں، مثلاً: کرۂ ارض، خارجی سیارہ، براعظم، سرسبز وشاداب قطعۂ زمین، قشرِ ارض، ملک وسرزمین، مٹی، جزیرہ۔

عربی زبان میں لفظ 'ارض' لفظ 'سماء' ہی کی طرح ایک وسیع المعنی اور انتہائی بلیغ لفظ ہے۔ اس کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو نیچے ہو۔ عربی زبان کی تقریبا تمام بڑی لغات ومعاجم میں لفظ 'اَرض' کی حسب ذیل تعریف کی گئی ہے:

کل ما سفُل فھو أرض۔[۱۰] ہر وہ چیز جو نچلی ہو وہ ارض ہے۔

أرض: يعبر بها عن أسفل الشئ كما يعبر بالسماء عن أعلاه۔[11]

اَرض: اس سے نچلی شئ کو بیان کیا جاتا ہے، جیسا کہ سماء سے اوپری شئ مراد لی جاتی ہے۔

'اَرض' بمعنی پیر

لفظ 'ارض' میں نچلی اشیاء کا مفہوم عربی زبان میں اس قدر عام ہے کہ چوپایوں کے پیروں کو بھی ارض کہا جاتا ہے:

والأرض قوائم الدابة...[12]

اَرض چوپایوں کے پایے ہیں۔

اسی طرح انسان کے گھٹنوں اور اس کے نیچے کے حصہ کو بھی انسان کا ارض کہا جاتا ہے:

وأرض الإنسان ركبتاه فما بعدهما۔[13]

انسان کا اَرض اس کے گھٹنے اور ان سے نیچے کا حصہ ہے۔

اَرض بمعنی بیٹھک، آماج گاہ، مٹی، دیمک، جگہ، زمین اور سرزمین

ارض کے مفہوم میں بیٹھک اور آماج گاہ بھی آتے ہیں۔ کیونکہ ان کا وجود بھی انسان کی بہ نسبت نیچے ہوتا ہے:

أرض أريضة أى لينة طيبة المقعد. وروضة أريضة: لينة الموطئ واسعة۔[14]

اَرض اَریضۃ نرم اور عمدہ بیٹھک کو کہتے ہیں۔ اور روضۃ اَریضۃ سے ملائم اور وسیع آماج گاہ مراد ہے۔

ارض کے ایک معنی مٹی کے بھی ہیں۔ احادیث میں متعدد جگہوں پر اس کا استعمال اس معنیٰ میں ہوا ہے۔ اسی طرح دیمک کو اَرَضَۃٌ کہا جاتا ہے، جو مٹی ہی سے نکلتی ہے اور لکڑی وغیرہ کو کھا جاتی ہے۔[15]

قرآن مجید میں ایک جگہ 'اَرض' مطلقاً جگہ کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ حضرت یوسفؑ کے بھائی بنیامین کو جب مصر میں روک لیا گیا اور دوسرے بھائی خالی ہاتھ لوٹنے لگے تو ان میں سے ایک نے کہا:

فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّى يَأْذَنَ لِي أَبِي... (یوسف: ۸۰)

میں ہرگز اس جگہ (زمین) سے نہیں ہٹوں گا جب تک کہ میرے والد مجھے اجازت نہیں دے دیں گے۔

عربی زبان میں لفظ اَرض بالعموم ملک اور سرزمین کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: 'اَرض ہند' یعنی ہندوستان کی سرزمین، 'اَرض مصر' یعنی مصر کی سرزمین وغیرہ۔ اس معنی کا استعمال قرآن مجید میں بھی ہوا ہے:

يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ... (المائدۃ:۲۱)	اے میری قوم! تم اس مقدس سرزمین (ملک) میں داخل ہوجاؤ جس کو اللہ نے تمہارے لیے مقدر کردیا ہے۔

اس آیت میں مقدس سرزمین سے مفسرین میں سے بعض نے بیت المقدس، بعض نے ملک فلسطین اور بعض نے شام مراد لیا ہے۔

اسی طرح 'اَرض' عربی میں مطلقاً زمین کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کا استعمال قرآن مجید میں بھی ہوا ہے:

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ... (البقرۃ:۷۱)	اس (موسیٰ) نے کہا: وہ فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہو جس سے خدمت نہ لی جاتی ہو اور جو نہ زمین کو جوتتی ہو، نہ پانی کھینچتی ہو۔

اوپر کی مثالوں سے واضح ہوگیا ہوگا کہ 'اَرض' کتنا وسیع المعنیٰ لفظ ہے! اس کے مفہوم میں ہر وہ چیز داخل ہوسکتی ہے، جو انسان کی بہ نسبت نیچے ہو۔ یعنی زمین پر انسانی وجود کی بہ نسبت جن اشیاء کا جائے وقوع بالعموم نیچے رہتا ہے وہ تمام 'اَرض' کے مفہوم میں داخل ہیں۔ ایک عربی شاعر نے گھوڑے کے وصف میں حسب ذیل شعر کہا ہے، جس میں 'اَرض' اور 'سماء' دونوں الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور اس شعر میں ان الفاظ کے مذکورہ بالا معانی مراد لیے گئے ہیں:

وأحمر كالديباج أما سماء ها فريا وأما أرضها فمحول

مذکورہ بالا شعر سے ایک اور چیز واضح ہے کہ ارض وسماء کی نسبت اگر کسی شئ کی طرف کی جائے تو ان سے اس شئ کے اوپر اور نیچے والا حصہ مراد ہوتا ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا شعر میں ان کی نسبت گھوڑے کی طرف کی گئی ہے، اور وہاں ان سے گھوڑے کا اوپری اور نچلا حصہ مراد لیا گیا ہے۔

أرض بمعنی سرسبز وشاداب زمین

لفظ ارض کا اطلاق ایسے مقام پر بھی ہوتا ہے جو سرسبزی وشادابی سے لب ریز ہو:

ویقال أرض أریضة أی حسنة النبت وتأرّض النبت تمكّن علی الأرض فكثر۔[۱۶]

کہا جاتا ہے أرض أریضة یعنی وہ زمین جس میں سبزہ اچھی طرح اگے۔ اور 'تأرض النبت' اس وقت کہا جاتا ہے جب سبزہ خوب اور بکثرت ہو۔

أَرَضَ يَأْرِضُ أَرْضًا (المكان) كَثُرَ عُشْبَهٗ وَازْدَهٰی وَحَسُنَ فِي الْعَيْنِ۔[۱۷]

أرض المكان' یعنی وہ جگہ خوب سرسبز ہوگئی، وہاں خوب ہریالی آ گئی اور وہ دیدہ زیب ہوگئی۔

أرض بمعنی کرۂ زمین

عربی میں لفظ 'أرض' کا اطلاق بالعموم کرۂ زمین پر ہوتا ہے:

الأرض الجرم المقابل للسماء۔[۱۸]

أرض آسمان کے مقابلِ جرم (یعنی کرۂ زمین) کو کہا جاتا ہے۔

کرۂ زمین کو 'ارض' کہے جانے کی دو وجوہ ہوسکتی ہیں: ایک یہ کہ وہ ہمیشہ انسان کے قدموں تلے رہتا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ کرۂ زمین سرسبز وشاداب مقام ہے، جس کی وجہ سے اس پر زندگی کی سرگرمیاں جاری ہیں۔ قرآن مجید میں لفظ 'أرض' کا زیادہ تر استعمال کرۂ زمین کے معنی میں ہی ہوا ہے۔ چند مثالیں حسب ذیل ہیں:

وَ إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّیْ جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيْفَةً۔ (البقرۃ:۳۰)

اور جب تیرے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں 'ارض' (کرۂ زمین) میں ایک خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں۔

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَّلَكُمْ فِی الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلٰی حِيْنٍ۔ (البقرۃ:۳۶)

اور ہم نے کہا: تم ایک دوسرے کے دشمن ہوکر اترو۔ اور تمہارے لیے زمین (کرۂ أرض) میں ٹھکانا اور متاع حیات ہے ایک مقررہ وقت تک کے لیے۔

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَاءَ بِنَاءً ا۔ (البقرۃ:۲۲)

(وہ اللہ ہی ہے) جس نے زمین (کرۂ أرض) کو تمہارے لئے فرش اور آسمان کو چھت بنایا۔

احادیث وروایات میں بھی لفظ 'ارض' کا بکثرت استعمال کرۂ زمین کے معنی میں ہوا ہے۔ اس کی ایک واضح مثال حضرت ابن عباس کی روایت ہے:

عن ابن عباسؓ قال: خلق الله جبلا یقال له ق محیط بالأرض... الخ[۱۹]	حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ایک پہاڑ پیدا کیا ہے جسے ق کہا جاتا ہے۔ وہ پورے کرۂ ارض کو گھیرے ہوئے ہے۔

اس روایت میں مذکور عظیم الشان اور فلک بوس پہاڑ (جسے کوہِ ق کے نام سے موسوم کیا گیا ہے) کا انکشاف حالیہ برسوں میں ہوا ہے۔ وہ بیسویں صدی عیسوی تک دنیا کی نظروں سے اوجھل رہا۔ جدید جیولوجیائی اور بحریاتی تحقیقات نے اس پُراسرار پہاڑ کا انکشاف کیا ہے۔ یہ پہاڑ دراصل کرۂ زمین کے سمندروں میں موجود ہے۔ اس کی کُل لمبائی ۸۰ ہزار کلومیٹر سے زائد ہے[۲۰]۔

ہمارا استشہاد اس روایت کے لفظ 'اَرض' سے ہے، جو کرۂ زمین کے معنیٰ پر دلالت کرر ہا ہے۔ اس روایت میں بتایا گیا ہے کہ یہ پہاڑ پورے کرۂ زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔

اَرض بمعنی خارجی زمین

عربی زبان میں لفظ 'ارض' کا استعمال سرسبزی وشادابی سے لبریز اور زندگی کے لیے موزون خارجی سیاروں (زمینوں) (Exoplanets) کے لیے بھی بہ کثرت ہوا ہے۔ اسی معنیٰ میں اس کا استعمال بعض روایات میں بھی ہوا ہے۔ مثلاً ابن جریر، ابن ابی حاتم، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے:

عن ابن عباس فی قوله: ﴿وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ قال: سبع أرضین، فی کل أرض نبی کنبیکم، وآدم کآدم، ونوح کنوح، وإبراهیم کإبراهیم، وعیسی کعیسی۔[۲۱]	حضرت ابن عباس سے ومن الأرض مثلهن کی تفسیر میں مروی ہے کہ: سات زمینیں ہیں، ہر ایک زمین میں نبی ہے تمہارے نبی کی طرح، آدم ہے آدم کی طرح، نوح ہے نوح کی طرح، ابراہیم ہے ابراہیم کی طرح اور عیسیٰ ہے عیسیٰ کی طرح۔

جدید فلکیاتی اور کائناتی (Cosmological) تحقیقات کی روشنی میں مذکورہ بالا روایت کی کافی اہمیت ہے۔ اس سے نہ صرف اس کے اعجاز کے مختلف پہلو کھل کر سامنے آتے ہیں، بلکہ کائنات کی بعض لاینحل گتھیاں سلجھانے میں بھی مدد ملتی ہے۔ اس روایت میں لفظ 'سبع' آیا ہے، جو عربی زبان میں متعین سات کے عدد پر بھی دلالت کرتا ہے اور کثرت کے معنی پر بھی۔ اس کی رو سے اس روایت سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

- ☆ کائنات میں ہماری زمین جیسی بہت سی زمینیں موجود ہیں۔
- ☆ ان زمینوں میں ذی شعور اور مکلّف مخلوقات بھی پائی جاتی ہیں۔
- ☆ وہاں بھی ہماری زمین کی طرح تہذیب وتمدن اور معاشرہ قائم ہے۔
- ☆ ان میں بھی نبوت اور شریعت کا سلسلہ جاری ہے۔
- ☆ وہاں پر بھی انسانوں اور انبیاء کے درمیان فرقِ مراتب پایا جاتا ہے، جیسا کہ ہماری زمین پر بعض انسانوں کو فضیلت بخشی گئی اور انہیں انبیاء بنایا گیا اور خود انبیاء کے درمیان بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی گئی ہے۔
- ☆ اس روایت میں زمینی اور خارجی زمینوں کے انبیاء کے درمیان جو مماثلت بیان کی گئی ہے وہ بس ان کے مقام اور مرتبے کے اعتبار سے ہے۔ خارجی سیاروں کی یہ مخلوقات نوع (Species) اور طبیعی وکیمیاوی ساخت وپرداخت اور خصوصیات میں ہم انسانوں سے جدا ہوسکتی ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا جدید سائنس نے کسی ایسے سیارے کو دریافت کیا ہے جو قابلِ بود وباش ہو؟ اگر ہاں تو کیا کوئی ایسا سیارہ دریافت ہوا ہے جہاں باشعور مخلوق کا وجود ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سائنس نے اب تک نہ صرف زمین جیسے سیکڑوں قابلِ بود وباش سیارے (Habitable Planets) دریافت کرلیے ہیں، بلکہ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ ہمارے نظامِ شمسی کے اندر اور باہر، ہماری کہکشاں جادۂ شیر (Milky Way) کے اندر اور اس سے باہر دوسری کہکشاؤں میں زمین جیسے اربوں نہیں، بلکہ کھربوں کھربوں (Billions of Billions) سیارے موجود ہوسکتے ہیں جو زمین ہی کی طرح زندگی کے لیے سازگار ہوں۔

آئے دن اس سلسلے میں نئی نئی تحقیقات اور انکشافات سامنے آرہی ہیں، جنھوں نے انسانی عقلوں کومبہوت کر دیا ہے۔

اس سلسلے کی دوسری اہم بات یہ ہے کہ جدید سائنس ان زمین نما سیاروں (Earthlike Planets) میں زندگی کوکھوج نکالنے کے نہ صرف انتہائی قریب پہنچ چکی ہے، بلکہ اب سائنس داں اس بات کا کھلے عام اعتراف کرنے لگے ہیں کہ ان زمین نما سیاروں میں باشعور اور متمدن مخلوقات کا وجود ہونا کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔لہذا بعید نہیں کہ مستقبل قریب میں ایسا کوئی انکشاف سامنے آجائے جس سے مذکورہ بالا روایت کی تائید وتصدیق ہوجائے[۲۲]۔

بہرحال ہمارا استشہاد اس روایت کے لفظ ’اَرضین‘ سے ہے، جو ’اَرض‘ کی جمع ہے۔ اس سے خارج از زمین سیارے مراد لیے گئے ہیں۔لغوی اعتبار سے ان سیاروں کو ’اَرض‘ کہے جانے کی وجہ ان میں موجود روئیدگی اور سرسبزی وشادابی ہے، جو ان میں کسی بھی طرح کی زندگی کے لیے اولین شرط ہے اور کسی بھی سیارے میں سرسبزی وشادابی کے لیے بنیادی شرط وہاں پانی کی فراوانی ہے، جس کے بغیر زندگی کا وجود ممکن نہیں ہوسکتا۔سائنسی اعتبار سے زندگی اور سرسبزی وشادابی کے لیے لازمی عنصر پانی کی اہمیت اور اس کے وجود پر قرآن مجید میں ایک جگہ حسب ذیل بیان وارد ہوا ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَىْءٍ حَيٍّ۔ اور ہم نے پانی ہی سے تمام زندہ اشیاء کو بنایا ہے۔ (الانبیاء:۳۰)

آج سائنس داں اس وسیع وعریض کائنات کے کسی سیارے میں زندگی کی کھوج کے لیے سب سے پہلے وہاں پانی کے موجودگی کا پتہ لگاتے ہیں، جو قرآنی بیان کے مطابق زندگی کے وجود کے لئے ایک لازمی شئ ہے۔احادیث وروایات میں ان زمین نما سیاروں کو ’اَرض‘ کہا جانا اس معنی میں بھی انتہائی بلیغ ہے کہ فضا (Space) میں نہ صرف خارجی سیاروں کا وجود ہے، بلکہ وہ سیارے زندگی کے تمام لوازم -پانی اور سرسبزی وشادابی- سے بھرپور اور قابلِ بود و باش مقامات ہیں۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشیں رہے کہ لغوی اعتبار سے ’اَرض‘ کا اطلاق صرف انھی خارجی سیاروں پر ہوگا جو سرسبزی وشادابی سے لب ریز ہوں۔ بے آب وگیاہ اور سنگلاخ

سیاروں پر 'أرض' کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا، بلکہ ان پر سماء کا اطلاق کیا جائے گا۔ (اس پر مزید تفصیل کے لیے اگلی بحث ملاحظہ ہو)۔

سیاروں کے لیے 'ارض' اور 'سماء' دونوں کا استعمال ہوا ہے

لغوی اعتبار سے خارجی زمینوں کے لئے جس طرح 'أرض' کا استعمال درست ہے اسی طرح ان کے لیے 'سماء' کا بھی استعمال درست ہے۔ کیونکہ ہماری زمین کی بہ نسبت وہ تمام سیارے ہمیں ہمیشہ آسمان میں بلند نظر آتے ہیں اور ان کی سمت ہمیشہ اوپر کی جانب ہوتی ہے۔ لہٰذا قرآن مجید میں خارجی زمینوں (سیاروں) کے لئے 'أرض' اور 'سماء' دونوں الفاظ کا استعمال ہوا ہے۔ ان کے لیے 'أرض' کے استعمال کی مثال حسب ذیل آیت کریمہ ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ.... (طلاق:۱۲)

وہ اللہ ہی ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے ہیں اور انہی کی طرح زمینیں بھی۔

یہ قرآن مجید کی ایک 'متشابہ' آیت ہے، کیونکہ اس کی تفسیر متعدد طریقوں سے کی جاسکتی ہے اور کی گئی ہے۔ اس میں مذکور "سَبْعَ سَمٰوٰتٍ" کے متعدد معانی ہوسکتے ہیں:

۱- جیسا کہ بیان کیا گیا، عربی زبان میں لفظ 'سبع' متعین سات کے عدد پر دلالت کرنے کے ساتھ کثرت کے معنی پر بھی دلالت کرتا ہے۔ اس سے متعین سات کا عدد مراد لیے جانے کی صورت میں مفسرین نے 'سماوات' کے دو معانی بیان کیے ہیں:

(الف) سات آسمانوں سے ہمارے کرۂ ہوا (Atmoshpere) کی سات تہیں (Layers) مراد ہیں۔ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ سماء کا اطلاق کرۂ ہوا پر بھی ہوسکتا ہے۔

(ب) بعض مفسرین نے 'سبع سمٰوٰت' سے سات کائناتیں مراد لی ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کائنات ہماری مرئی کائنات کی طرح عظیم الشان ہے، جو ستاروں، سیاروں، نظام شمسی اور کہکشاؤں وغیرہ سے لب ریز ہے۔ اور یہ سات کائناتیں آیت کریمہ 'سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا' کے بہ موجب تہہ بہ تہہ ایک کے اوپر ایک واقع ہیں اور ان کے درمیان مضبوط حد فاصل ہے[۲۳]۔ بعض سائنس دانوں کے یہاں 'تعدّد کائنات' (Multi Universe) کا نظریہ بھی پایا جاتا ہے، مگر وہ مفسرین کی بیان کردہ تفصیلات سے پوری طرح مطابقت نہیں رکھتا۔

۲- اگر 'سبع' کے معنیٰ بے انتہا اور کثرت کے لیے جائیں تو اس صورت میں سماوات کا اطلاق مطلقاً 'اجرام سماوی' پر کیا جاسکتا ہے کہ اللہ نے لاتعداد اجرامِ سماوی کی تخلیق کی ہے۔ لفظ سماء کی دلالت اجرام سماوی پر بھی ہوتی ہے۔

اسی طرح اس آیت کے اگلے فقرے 'وَمِنَ الأَرْضِ مِثْلَهُنَّ' کی متعدد تفسیریں مروی ہیں:

۱- سبع سے متعین سات کا عدد مراد لیے جانے کی صورت میں اس آیت کا مطلب ہوگا: ''اللہ نے سات آسمانوں کی طرح سات زمینیں تخلیق کی ہیں''۔ اس صورت میں سات زمینوں سے کرۂ ارض کے سات برِّ اعظم مراد ہوں گے۔ (براعظم کے معنی پر لفظ اَرض کی دلالت پر بحث آگے ملاحظہ ہو)۔

۲- سبع سے کثرت مراد لیے جانے کی صورت میں 'وَمِنَ الأَرْضِ مِثْلَهُنَّ' کا مطلب ہوگا: ''بے شمار اجرامِ سماوی کی طرح اللہ نے انہی کے بہ قدر بے شمار زمینیں بھی پیدا کی ہیں''۔[۲۴] اس صورت میں زمینوں سے خارجی زمینیں مراد لی جاسکتی ہیں۔

بہر حال، یہ قرآن مجید کی ایک مشکل اور کثیر الوجوہ آیتِ کریمہ ہے، جس کی تفسیر جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں متعدد پہلوؤں سے کی جاسکتی ہے۔

قرآن مجید میں خارجی زمینوں یا زمین نما سیاروں کے لئے 'اَرض' کے بجائے 'سماء' اور 'سماوات' کا استعمال بہ کثرت ہوا ہے۔ حسب ذیل آیات کریمہ ملاحظہ ہوں:

وَمِنْ آيٰتِهِ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَابَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ۔ (الشوریٰ: ۲۹)	اور اس کے (وجود کے) دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ اس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور ان میں (ہر قسم کے) جان دار پھیلا دیے۔
أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ۔ (آل عمران: ۸۳)	کیا اللہ کے دین کے سوا یہ کوئی اور دین تلاش کرتے ہیں، حالانکہ جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب خواہی وناخواہی اسی کی تابع داری کرتے ہیں اور ان سب کو اسی کی طرح لوٹنا ہے۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلَالُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ. (الرعد:۱۵)	اور چار وناچار اللہ ہی کو آسمانوں اور زمین والے سجدہ کرتے ہیں اوران کے سایے بھی، صبح وشام۔

مذکورہ بالا آیات سے کئی اہم مفاہیم اخذ ہورہے ہیں، جن سے اوپر بیان کی گئی حضرت ابن عباس کی روایت کی مزید تائید وتصدیق ہوتی ہے:

۱- خارجی سیاروں میں زمین ہی کی طرح 'دابۃ' یعنی رینگنے اور چلنے پھرنے والے جان دار موجود ہیں۔ دابۃ میں جن وانس، ملائکہ، شیاطین اوران جیسی دوسری انواعِ حیات اور ہرقسم کے چلنے پھرنے اور رینگنے والے جان دار شامل ہوجاتے ہیں۔

۲- دوسری اور تیسری آیات میں ان سیاروں میں موجود جان داروں کے لیے لفظ 'مـــن' آیا ہے، جو ذوی العقول کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سیاروں میں عاقل اور ذی شعور مخلوقات بھی موجود ہیں۔

۳- ان آیات میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ارض وسماوات میں موجود مخلوقات اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتی ہیں۔

۴- مذکورہ بالا تمام باتیں خارجی سیاروں اور زمین دونوں کے بارے میں مشترک طور پر بیان کی گئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح زمین پر ذی شعور مخلوقات کا معاشرہ قائم ہے اسی طرح ان سیاروں میں بھی ذی شعور مخلوقات کا معاشرہ رواں دواں ہے۔

۵- سورۂ انبیاء کی اوپر مذکور آیت میں یہ کائناتی اصول بیان کیا گیا ہے کہ پانی زندگی کے لیے ایک لازمی عنصر ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ مذکورہ بالا سیاروں میں بھی پانی پایا جاتا ہے۔

بہرحال ہمارا استشہاد ان آیات میں پائے جانے والے لفظ 'سمٰوٰت' سے ہے۔ ان تینوں آیات میں 'سمٰوٰت' کو جمع اور 'أرض' کو واحد کے صیغہ میں استعمال کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ زمین ہی کی طرح ان میں بھی زندگی کا وجود ہے اور وہاں زندگی تقریبا اسی طرح پنپ رہی ہے جس طرح کہ زمین پر زندگی اور اس کے لوازم پائے جاتے ہیں۔ان آیات میں

خارجی زمینوں کے لئے لفظ 'سماء' اور 'سمٰوٰت' کی دلالت بالکل واضح ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ 'السماوات والأرض' کی ترکیب، جو قرآن میں بارہا استعمال کی گئی ہے (اس کا استعمال تقریباً ۱۳۳ر مرتبہ ہوا ہے) اس میں سماوات کا لفظ جمع کے معنی پر اور أرض کا لفظ واحد کے معنی (ہماری زمین) پر دلالت کرتا ہے۔ اگر لفظ 'الأرض' سے تمام زمینیں مراد لی گئی ہوتیں تو پھر ان آیات میں 'السماوات' کا استعمال بے محل ہوتا۔ کیونکہ اس کا استعمال ایسے ہی (اجرام) یعنی خارجی زمینوں کے لیے کیا گیا ہے جو زندگی کے لیے موزوں ہوں اور ان میں زندگی پائی بھی جارہی ہو۔

خلاصہ یہ کہ ان آیات میں جن اجرام کو 'سماوات' سے تعبیر کیا گیا ہے انہی کو سورۂ طلاق کی آیت اور پھر روایت ابن عباس میں زمینوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو خارجی زمینوں کے لیے سماء کی تعبیر محض نسبتی ہے، یعنی کہ ہر ایک جرم کی بہ نسبت دوسرے تمام اجرام اس کے سماء ہوئے، جب کہ اس جرم کے ساکنین کے لیے وہ جرم 'أرض' ہوا۔ اس لحاظ سے ہر جرم اپنے آپ میں ارض ہے اور دوسرے اجرام کے لئے سماء بھی۔

خارجی سیاروں کے لیے لفظ سماء وأرض کے استعمال میں فرق

اوپر کی مثالوں سے واضح ہو گیا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث وروایات میں خارجی سیاروں کے لیے 'أرض' اور 'سماء' دونوں الفاظ کا استعمال ہوا ہے۔ لیکن اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو ان کے استعمالات میں ایک اور لطیف فرق موجود ہے۔ لغوی اعتبار سے أرض کی معنوی وسعت میں صرف وہی خارجی سیارے آسکتے ہیں، جو سرسبزی وشادابی سے لب ریز اور بود وباش کے لائق ہوں، جب کہ 'سماء' کی معنوی وسعت میں صرف زمین نما سرسبز سیارے ہی نہیں، بلکہ بےآب وگیاہ اور ناقابلِ بود وباش سیارے بھی آجاتے ہیں۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو لفظ أرض خاص ہوا اور لفظ سماء عام، یعنی ہر أرض سماء ہوسکتا ہے مگر ہر سماء أرض نہیں ہوسکتا۔ روایات کا استدلال چونکہ قابل بود وباش سیاروں اور ان میں موجود ذی شعور مخلوقات ہی سے ہے، اس لیے ان میں 'أرض' اور 'أرضین' (جمع) کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، جب کہ قرآن مجید میں

خارجی سیاروں کے لیے 'اَرض' کے بجائے 'سماء' اور 'سماوات' کا بہ کثرت استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ قرآن کے استشہاد کا دائرہ قابل بود و باش خارجی زمینوں کے علاوہ دوسرے نا قابل بود وباش سیاروں تک وسیع ہے، جو کبھی زندگی کے لیے سازگار تھے، مگر اب بنجر اور سنگلاخ ہو چکے ہیں۔[۲۵]

ارض وسماء کی جامعیت

یہاں ایک اور نکتہ ذہن نشیں رہے کہ ہماری کائنات میں موجود جو اجرام سماوی قابل بود وباش ہیں، وہ سائنسی نقطۂ نظر سے دو قسم کے ہیں: ایک سیارے اور دوسرے چاند۔ سیارے وہ اجرام ہیں، جو کسی نظام شمسی میں اپنے سورج کے گرد چکر لگاتے ہیں، جب کہ چاند ان اجرام کو کہا جاتا ہے جو سورج کے بجائے کسی سیارے کے گرد چکر لگاتے ہیں، جیسے کہ ہماری زمین کا ایک چاند ہے۔ بعض سیارے ایسے بھی ہیں جن کے گرد ایک سے زائد چاند چکر لگاتے ہیں۔ لہٰذا فنّی اعتبار سے اگر چہ ان اجرام کی نوعیّتوں میں فرق ہے، مگر عربی زبان کے الفاظ 'اَرض وسماء' اتنے جامع اور وسیع ہیں کہ ان دونوں قسم کے اجرام پر ان کا اطلاق یکساں طور پر ہوسکتا ہے۔

اَرض بمعنی براعظم

روایات میں لفظ اَرض کا استعمال براعظم کے معنیٰ میں بھی ہوا ہے۔ براعظم اس بڑے زمینی حصہ کو کہا جاتا ہے جو پانی سے پوری طرح یا قریب قریب گھرا ہوا ہو۔ لہٰذا لغوی اعتبار سے براعظم پر لفظ 'اَرض' کا اطلاق کرۂ ارض پر اس کے اطلاق ہی کی طرح دو معنوں میں درست ہوسکتا ہے۔ پہلا یہ کہ کرۂ ارض ہی کی طرح براعظمی زمین بھی انسان کی بہ نسبت ہمیشہ نیچے کی جانب اور انسانوں کے قدموں تلے رہتی ہے۔ دوسرا معنیٰ یہ کہ کرۂ ارض ہی کی طرح براعظمی زمین سرسبزی وشادابی سے معمور ہوتی ہے یا ہونے کے قابل رہتی ہے۔

متعدد روایات میں براعظموں کے لیے لفظ 'اَرض' (جمع اَرضون / اَرضین) کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس کی ایک مثال کوہِ قاف کے متعلق حضرت ابن عباس کی روایت ہے جس کا حوالہ اوپر آچکا ہے۔ اس میں ہے:

عن ابن عباس رضی الله عنهما فی قوله عزوجل 'ق والقرآن المجید' قال: أنبت الله عزوجل من الیاقوتة جبلًا فأحاط بالأرضین السبع علی مثل خلق الیاقوتة فی حسنها وخضرتها وصفائها. فصارت الأرضون السبع فی ذلک الجبل کالأصبع فی الخاتم...... الخ[۲۶]

حضرت ابن عباس نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد 'ق، والقرآن المجید' کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یاقوت سے ایک پہاڑ کو پیدا کیا۔ اس پہاڑ نے ساتوں زمینوں کو اپنے گھیرے میں لے لیا، جو اپنی خوب صورتی، سرسبزی اور صفائی میں یاقوت کے مانند ہے۔ لہٰذا اس پہاڑ کے مقابلے میں ساتوں زمینوں کی حیثیت انگلی میں انگوٹھی کے مانند ہے۔ (یعنی کہ ساتوں زمینیں انگلی ہیں، جس پر کوہِ قاف انگوٹھی کے مانند براجماں ہے۔)

اس روایت میں بتایا گیا ہے کہ کوہِ قاف ساتوں زمینوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس کی کیفیت کی تمثیل اس طرح بیان کی ہے جس طرح انگوٹھی نے انگلی کو گھیر رکھا ہو۔ یہ روایت جدید جیولوجیائی تحقیقات کی روشنی میں انتہائی اہمیت کی حامل ہے[۲۷]۔

ہمارا استشہاد اس روایت میں وارد لفظ 'سبع أرضین' سے ہے، جس سے سات براعظم مراد لیے گئے ہیں۔ کوہِ قاف کو جیولوجیائی اصطلاح میں سمندری ریڑھ (Oceanic Ridge) کا نام دیا گیا ہے۔ وہ کرۂ ارض کا واحد پہاڑی سلسلہ ہے، جو پورے کرۂ ارض کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس کا محل وقوع کرۂ ارض کے سمندر ہیں۔ وہ کرۂ ارض کے ساتوں سمندروں سے گزر کر کرۂ ارض کے ساتوں براعظموں کو گھیرے ہوئے ہے، جس طرح کہ انگوٹھی انگلی کو گھیرے ہوتی ہے۔[۲۸]

أرض بمعنی خشکی

قرآن مجید میں ایک جگہ لفظ 'أرض' کا استعمال کرۂ ارض کی جملہ خشکی (Land) کے حصہ کے لیے کیا گیا ہے:

أَوَلَمْ یَرَوْا أَنَّا نَأْتِی الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا... (الرعد: ۴۱)

مزید دیکھیے: الأنبیاء: ۴۴

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین (خشکی) کو اس کے کناروں کی جانب سے گھٹاتے آرہے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین سے مختلف اقوال مروی ہیں، جن میں سے دو اقوال

زیادہ متداول ہیں: اول یہ کہ اس کے مخاطب کفار مکہ ہیں، جن پر اللہ تعالی مسلمانوں کی فتوحات کی وجہ سے زمین تنگ کرتا جارہا ہے۔ یہ قول مرجوح ہے۔ دوسرا قول، جو راجح ہے، وہ یہ کہ اس آیت کریمہ میں زمین کو اس کے کناروں سے گھٹانے کا مطلب زمینی حصہ کا اس کے کناروں کی جانب سے بربادی ہے۔ اس کی وجہ سے کرۂ ارض کے مکینوں کو بے شمار جانی و مالی نقصان ہوگا۔ کبار مفسرین صحابہ وتابعین، جن میں حضرت ابن عباسؓ، عکرمہؒ، مجاہدؒ، اور ابن جریجؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں، اسی کے قائل تھے۔ اس سلسلہ میں ان سے مروی بعض روایات حسبِ ذیل ہیں:

عن ابن عباس فی قوله 'أنا نأتي الأرض ننقصها من أطرافها' قال: أولم يروا إلى القرية تخرب حتى يكون العمران فی ناحية۔[۲۹]	ابن عباسؓ نے اللہ تعالی کے ارشاد 'أنا نأتی الأرض ننقصها من أطرافها' کے متعلق فرمایا: اس کا مطلب ہے: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ گاؤں برباد ہورہے اور آبادیاں کنارے ہوتی جارہی ہیں۔
قال مجاهد: نقصان الأنفس والثمرات وخراب الأرض۔[۳۰]	مجاہدؒ نے فرمایا: اس سے مراد جانوں اور پھلوں کا نقصان اور زمین کی بربادی ہے۔
عن عكرمة فی قوله 'أولم يروا أنا نأتي الأرض ننقصها من أطرافها' قال: نخرب من أطرافها۔[۳۱]	عکرمہؒ سے اللہ تعالی کے ارشاد 'أولم يروا أنا نأتي الأرض ننقصها من أطرافها' سے متعلق روایت ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے برباد (غرقاب) کرتے آرہے ہیں۔
قال ابن جريج: خرابها وهلاك الناس۔[۳۲]	ابن جریجؒ نے فرمایا: اس سے مراد زمین کی بربادی اور لوگوں کا ہلاک ہونا ہے۔

درج بالا آیت قرآنی میں جس مظہر کے وقوع کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ بیسویں اور اکیسویں صدی کے ہیبت ناک مظاہر فطرت میں سے ایک مظہر ہے۔ یہ مظہر سطحِ سمندر میں اضافہ (Sea Level Rise) کی شکل میں ظاہر ہورہا ہے، جس سے کرۂ ارض کے ساحلی علاقوں کو غرقابی کا سنگین خطرہ لاحق ہوگیا ہے۔ دراصل عالمی تمازت (Global Warming) میں اضافہ کی وجہ سے کرۂ ارض کے گلیشیرز اور برفانی تودے بڑے پیمانے پر پگھلنے لگے ہیں،

جس کی وجہ سے ان میں محبوس پانی پگھل کر سمندروں میں شامل ہوجانے کی وجہ سے سمندری سطح میں اضافہ ہورہا ہے۔ اس کی وجہ سے دنیا کے تمام ساحلی شہروں اور علاقوں کو غرقابی کا خطرہ درپیش ہے۔ اس مظہر کے رونما ہونے کی وجہ سے ۱۹۵۰ء سے سطحِ سمندر میں سالانہ تقریباً ۷ء۱ ملی میٹر کا اضافہ ہوا ہے۔ ۱۹۹۳ء کے بعد یہ شرح بڑھ کر ۳ء۳ ملی میٹر سالانہ ہوگئی ہے۔ اگلی چند دہائیوں میں اس کی سطح میں مزید تیزی سے اضافہ کی پیش گوئی کی جارہی ہے، جس سے اس کے تباہ کن نتائج سامنے آنے کا اندیشہ ہے۔ ایک تخمینے کے مطابق سطحِ سمندر میں ۵-۱۰ میٹر اضافہ سے دنیا کے عظیم ترین شہروں کے ڈوبنے کا خطرہ لاحق ہوجائے گا۔ مستقبل قریب میں یہ صورت حال یقینی طور پر پیش آنے والی ہے۔ اس سے بھی ہیبت ناک اور سنگین منظرنامہ یہ ہے کہ سائنس دانوں کے مطابق اگر کرۂ ارض کے اوسط درجۂ حرارت میں ۵ء۳ فی صد اضافہ ہوجائے، جس کو سائنس داں مستقبل قریب کے ایک یقینی واقعہ کے طور پر دیکھ رہے ہیں تو پھر کرۂ ارض کے تمام گلیشیرز پگھل کر ختم ہوجائیں گے اور سطحِ سمندر میں ۱۵۰-۲۰۰ میٹر تک اضافہ ہوجائے گا، جس سے ایک اندازے کے مطابق کرۂ ارض کی موجودہ خشکی کا تقریبا ۴۰ فیصد حصہ ڈوب جائے گا۔[۳۳]

اَرض بمعنی قشرِ ارض

بعض روایات میں لفظ اَرض ایک اور الگ اور منفرد معنی میں مستعمل ہوا ہے، جس کی معنویت پر جدید جیولوجیائی تحقیقات کے ذریعہ بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ اور وہ ہے قشر ارض (Crust) کے معنی پر اس کی دلالت۔ کوہِ قاف کے سلسلے میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی روایت کے الفاظ بعض کتابوں میں یہ ہیں:

عن ابن عباسؓ قال: خلق الله جبلا يقال له 'ق' محيط بالأرض (وفي رواية محيط بالعالم) وعروقه الى الصخرة التى عليها الأرض... الخ

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: اللہ تعالی نے ایک پہاڑ پیدا کیا ہے، جسے ق کہتے ہیں، وہ کرۂ ارض (ایک روایت میں دنیا) کو گھیرے ہوئے ہے اور اس کی جڑیں اس چٹان پر ہیں جس پر زمین قائم ہے......۔

اس روایت میں لفظ اُرض کا دو جگہوں پر استعمال ہوا ہے اور دونوں جگہوں پر اس کے الگ الگ معانی مراد ہیں۔ پہلی جگہ بتایا جارہا ہے کہ کوہِ قاف ارض (زمین) کو گھیرے ہوئے ہے، جبکہ دوسری جگہ بتایا جارہا ہے کہ 'اُرض' (زمین) ایک چٹان پر قائم ہے۔

ماہرینِ علمِ ارضیات کے مطابق کرۂ ارض کی چار طبقاتی پرتیں (Layers) ہیں۔ان میں سے سب سے اوپری پرت قشرِ ارض (Crust) ہے اور دوسری پرت یعنی غلاف ارض (Mantle) کا اوپری حصہ ٹھوس چٹانوں پر مشتمل ہے۔قشر ارض اور غلاف ارض کی اس مشترکہ چٹانی پرت کو کرۂ حجری (Lithosphere) کہا جاتا ہے۔ یہ کرۂ حجری ہمارے کرۂ ارض کو گھیرے ہوئے ہے اور اس کی موٹائی ہر جگہ اوسطاً تقریباً سو کلومیٹر ہے۔کرۂ ارض کی اس داخلی چٹانی پرت کے بالائی حصہ پر کرۂ ارض کے تمام براعظم اور سمندر واقع ہیں۔اس پرت کی موٹائی براعظموں کے نیچے تقریباً چالیس کلومیٹر ہے، جب کہ سمندروں کے فرش تلے اس کی موٹائی تقریباً ۸ کلومیٹر ہے۔روایت کے اس ٹکڑے میں 'اُرض' سے قشرِ ارض کی یہی بالائی پرت مراد ہے، جو پہاڑوں، سمندروں اور براعظموں وغیرہ پر مشتمل ہے۔یعنی زمین کی یہ اوپری پرت اس عظیم الشان چٹان پر قائم ہے، یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ براعظم اور سمندر اس کی پیٹھ پر سوار ہیں، جسے کرۂ حجری (Lithosphere) کہا جاتا ہے۔ روایت میں اس کرۂ حجری کو 'صخرۃ' (چٹان) سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اگر یہ عظیم الشان چٹان نہ ہوتی تو یہ وسیع وعریض براعظم، سمندر اور عظیم الشان پہاڑ کرۂ ارض کی سطح پر آزادانہ طور پر ٹک نہ پاتے، کیونکہ اس کرۂ حجری کے نیچے کا پورا مواد بے انتہا گرم آتشی اور سیال لاوے پر مشتمل ہے۔نتیجتاً پورا کرۂ ارض آگ کے ایک عظیم گولے میں تبدیل ہو چکا ہوتا، جو اپنی تمازت میں سورج سے بھی زیادہ گرم ہوتا، اس صورت میں یہ ماحول کرۂ ارض پر زندگی کے وجود وبقا کے لئے بالکل سازگار نہ ہوتا۔

لغوی اعتبار سے لفظ 'اُرض' کا قشر ارض پر اطلاق اس معنیٰ میں درست ہے کہ کرۂ ارض پر اس کا وجود بھی انسان کی بہ نسبت ہمیشہ نیچے کی جانب اور اس کے قدموں تلے رہتا ہے۔

کثیر المعانی الفاظ کے استعمال کی حکمتیں

مذکورہ بالا بحث سے واضح ہو گیا کہ اَرض وسماء کے الفاظ اپنی معنوی وسعت میں کس قدر ہمہ گیر ہیں اور قرآن مجید اور احادیث و روایات میں وہ کتنے متنوع اور گوناگوں معانی ومفاہیم پر دلالت کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ ان الفاظ سے جو معانی ومفاہیم مبرہن ہو رہے ہیں وہ لغوی اعتبار سے عربی الفاظ کے عمیق اور اصل الاصول معانی، جدید سائنسی تحقیقات کا لب لباب اور قرآن وحدیث کے علمی اعجازات میں سے ہیں۔

کلامِ الٰہی میں ایسے کثیر المعانی الفاظ کا استعمال کئی مقاصد کی تکمیل کے لیے کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک اہم مقصد سائنسی اعتبار سے اُس کم ترقی یافتہ دور میں لوگوں کی عقلی و علمی سطح کا خیال ملحوظ رکھنا ہے کہ ان الفاظ کو مبہم اور مختلف الوجوہ انداز میں بیان کیا جائے، تاکہ جب یہ علوم ترقی کرتے ہوئے اس منزل کو پہنچ جائیں، جہاں سے ان مظاہر کا سمجھنا آسان ہو جائے تو ان ذی وجوہ اور کثیر المعانی الفاظ کے صحیح مدلولات کا تعین غور وخوض کے بعد ٹھیک ٹھیک طور پر ہو جائے اور قرآن اور حدیث کا اعجاز نمایاں ہو جائے۔

حواشی ومراجع

١۔ معجم الصحاح فی اللغۃ، اسماعیل بن حماد جوہری، دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۲۹ھ، ص ۳۳۲؛ لسان العرب، ابن منظور، دار صادر بیروت، ۲۰۰۵ء، ۱۴/ ۳۹۷؛ تاج العروس، مرتضی زبیدی، وزارۃ الاعلام کویت، ص ۸۴۳۷؛ مختار الصحاح، محمد بن ابی بکر الرازی، مکتبۃ لبنان بیروت ۱۴۱۵ھ، ص ۳۲۶

٢۔ Meteors and Meteorites , NASA. 2010-07-12.

٣۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی زیر طبع کتاب: 'موسمی تبدیلی اور قیامت'

٤۔ النکت والعیون المعروف بہ تفسیر الماوردی، ابو الحسن علی بن محمد الماوردی البصری، ۲/ ۳۴۵

٥۔ المفردات فی غریب القرآن، راغب اصفہانی، دار المعرفۃ بیروت، ص ۴۱

٦۔ عربی زبان میں اسم جنس کی کئی اقسام ہیں: ایک قسم 'اسم جنس افرادی' ہے، جو کسی شئ کے قلیل اور کثیر دونوں پر دلالت کے لیے موزوں ہوتی ہے۔ جیسے لفظ 'عسل' (شہد) اور لفظ

'لبن' (دودھ)اسم جنس ہیں۔ لہذا شہد اور دودھ کا اطلاق جس طرح ان کی تھوڑی مقدار پر درست ہے اسی طرح ان کی بڑی مقدار پر بھی درست ہے۔اسم جنس کی دوسری قسم 'اسم جنس جمعی' ہے، جو جمع تکسیر کی ایک قسم ہے اور فرد کے بجائے جماعت کے معنی پر دلالت کرتی ہے۔ایسے لفظ پر اگر تاء تانیث یا یاء نسبتی کا اضافہ کردیا جائے تو وہ اس کا واحد بن جاتا ہے۔ جیسے: تمر- تمرۃ (کھجور)، زہر- زہرۃ (پھول)، قریش-قرشی، ہند- ہندی وغیرہ۔لفظ اَرض اسم جنس کی ان دونوں اقسام کی خصوصیات کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔

۷۔ القاموس المحیط، مجد الدین فیروز آبادی، دار الکتاب العربی بیروت، ۲۰۰۸ء، ص ۸۲۰

۸۔ لسان العرب، ابن منظور، ج ۷، ص ۱۱۱-۱۱۲۔

۹۔ حوالۂ سابق: ص ۱۶؛ نیز البرہان فی علوم القرآن، بدر الدین زرکشی، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، ۱۴۲۷ھ

۱۰۔ معجم الصحاح، جوہری، ص ۳۷؛ لسان العرب، ابن منظور، ۱/ ۸۷؛ تاج العروس، زبیدی، ۱۸/ ۲۲۶۔

۱۱۔ المفردات فی غریب القرآن، راغب اصفہانی، ص۱۶۔

۱۲۔ لسان العرب، ۱/ ۸۸؛ تاج العروس، ۱۸/ ۲۲۶؛معجم الصحاح، ص ۳۷۔

۱۳۔ لسان العرب: ۱/ ۸۸۔

۱۴۔ کتاب العین (مرتبا علی حروف المعجم)، الخلیل بن أحمد الفراہیدی، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۲۴ھ، ۲۰۰۳ء، ص ۶۴

۱۵۔ حوالۂ سابق

۱۶۔ المفردات فی غریب القرآن، ص ۱۶

۱۷۔ المنجد، دار المشرق بیروت، ۲۰۰۸ء

۱۸۔ المفردات فی غریب القرآن، ص ۱۶

۱۹۔ العقوبات، ابن أبی الدنیا، دار ابن حزم، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۶ء، حدیث ۲۳؛ العظمۃ، أبو الشیخ بن حیان، دار العاصمۃ الریاض، ۱۴۰۸ھ، ۴/ ۱۴۸۹؛ الہیئۃ السنیۃ، جلال الدین السیوطی، مخطوطات مکتبۃ الازہر الشریف، مخطوطہ نمبر ۳۲۰۱۴۹، ص ۳۱

۲۰؎ اس پر مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب: زلزلوں کا اسلامی فلسفہ، فرقانیہ اکیڈمی بنگلور، ۲۰۱۱ء

۲۱؎ تفسیر ابن ابی حاتم، ابن ابی حاتم الرازی، دار ابن قیم، سعودی عرب، ۱۴۰۸ھ، ۱۲/ ۳۲۰؛ المستدرک علی الصحیحین، ابوعبداللہ حاکم، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۱۱ھ، حدیث ۳۸۲۲؛ الأسماء والصفات، بیہقی، مکتبۃ السوادی، جدہ، ۱۴۱۳ھ، حدیث ۷۹۹۔ صححه الحاکم والذهبی و قال البیهقی: إسناده صحیح، ولکنه شاذ لا أعلم لأبی الضحی علیه متابعا۔

۲۲؎ اس موضوع پر تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی زیرِ طبع کتابیں: ''علم الکائنات: 'قرآن، حدیث اور جدید سائنس کی روشنی میں'، اور 'موسمی تبدیلی اور قیامت' (تیسری جلد)

۲۳؎ ملاحظہ ہو: سورج کی موت اور قیامت، مولانا محمد شہاب الدین ندویؒ، فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور

۲۴؎ دیکھئے تفسیر الدر المنثور، جلال الدین سیوطی اور تفسیر النکت والعیون، الماوردی۔

۲۵؎ اس موضوع پر تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی زیرِ طبع کتاب 'موسمی تبدیلی اور قیامت' (جلد سوم)۔

۲۶؎ العظمۃ، ابوالشیخ بن حیان، ۴/ ۱۴۸۴۔

۲۷؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب: زلزلوں کا اسلامی فلسفہ۔

۲۸؎ احادیث و روایات میں لفظ 'أرض' کے براعظم کے معنیٰ میں مستعمل ہونے کی بعض مزید مثالیں راقم نے اپنی تصنیف 'کتاب الجغرافیہ' میں بیان کی ہیں۔

۲۹؎ جامع البیان عن تاویل آی القرآن المعروف بہ تفسیر طبری، ابوجعفر محمد بن جریر الطبری، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۲۰۰۰ء، ۱۶/ ۴۹۵۔

۳۰؎ تفسیر القرآن العظیم المعروف بہ تفسیر ابن کثیر، ابن کثیر، مکتبۃ دار التراث، القاہرۃ، ۴/ ۲/ ۴۷

۳۱؎ تفسیر الطبری: ۱۶/ ۴۹۵۔

۳۲؎ حوالۂ سابق

۳۳؎ اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی زیرِ طبع کتاب: 'موسمی تبدیلی اور قیامت'

☆☆☆